حکمتِ اقبال (۲۵)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم

حیاتیاتی تقلیبات کا سلسلہ

لہٰذا حیاتیاتی مرحلۂ ارتقاء میں ایسا ہوتا رہا کہ ہر بار جب خودی نے محسوس کیا کہ اس کی منزلِ مقصود کی طرف اس کی ارتقائی حرکت بعض رکاوٹوں کی وجہ سے حد سے زیادہ سست ہو رہی ہے تو اس نے ایک غیر معمولی کوشش کی اور یکایک گویا ایک جست سے اپنی رکاوٹوں کو عبور کر گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایسا جسمِ حیوانی فوری اور معجزانہ طور پر وجود میں آگیا جو اپنی نوع سے یکسر مختلف تھا اور اپنی ترقی یافتہ جسمانی ساخت کی وجہ سے کامل جسمِ حیوانی سے قریب تر تھا۔ پھر اس ترقی یافتہ جسمِ حیوانی کی اولاد سے ایک نئی اور بہتر اور بلند تر نوعِ حیوانات عالمِ وجود میں آئی۔ حیاتیاتی تقلیبات کا یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب تک کہ اُن کا مقصد حاصل نہیں ہوا یعنی جب تک کہ وہ کامل جسمِ حیوانی نمودار نہیں ہوا جو حیاتیاتی ارتقاء کی منزلِ مقصود تھا۔ اور جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو تقلیبات کے ظہور کا سبب (یعنی منزل سے دُور مزاحمت، رکاوٹ اور سُست رفتاری کا سامنا) زائل ہو جانے کی وجہ سے ان کا سلسلہ خود بخود منقطع ہو گیا اور یہ کامل جسمِ حیوانی آخری نوعِ حیوانی قرار پایا۔ یہی آخری اور کامل جسمِ حیوانی انسان ہے۔

حیاتیاتی ارتقاء کی شاہراہ

ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت انسان کی اولاد ترقی پاکر تمام انواعِ حیوانات پر غالب آچکی ہے اور اس کے ذریعے سے کائنات کا آئندہ ارتقاء جو نظریاتی قسم کا ہے جاری ہے۔ حیاتیاتی ارتقاء کا وہ راستہ جو ابتداء سے انسان تک جاتا ہے حیاتیاتی ارتقاء کا سیدھا راستہ یا اس کی شاہراہ ہے جس پر ارتقاء براہِ راست خالقِ کائنات کے مقصد کے مطابق ہوتا رہا۔ اس شاہراہ کی ہر منزل پر جسمِ انسانی کی ایک نئی ترقی یافتہ

صورت ایک جدید نوعِ حیوانی کی شکل میں ایک تقلیب کے ذریعہ سے وجود میں آتی رہی۔ تاہم اس شاہراہ کی مختلف منزلوں سے ارتقاء کے غلط راستے بھی نکلتے رہے جن پر ارتقاء جاری رہا لیکن تھوڑی دُور آگے جاکر ختم ہوگیا کیوں کہ ارتقاء کی شاہراہ سے ہٹ جانے کی وجہ سے ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ ارتقاء کی منزلِ مقصود پر پہنچ سکے۔ ارتقاء کی ان گمراہیوں کی وجہ یہ تھی کہ شاہراہِ ارتقاء کی ہر منزل پر انسان کی پست تر اشکال کو جو ابھی حیوانی سطح پر ہی تھیں غلط قسم کا حیاتیاتی ماحول میسّر آیا جس کی وجہ سے زندگی یا حیاتیاتی تکمیل کی قوّت جو ان کے اندر کام کر رہی تھی اور جو کسی اور راستہ پر کامیاب ہو رہی تھی، موافق حالات نہ پانے کی وجہ سے ایسی سمتوں میں کام کرنے اور ایسی تقلیبات پیدا کرنے لگی جو جسمِ انسانی کی تکمیل کی طرف آگے نہ جاتی تھیں اور جو لہٰذا براہِ راست اس کا مقصود نہ تھیں۔ زندگی کا قاعدہ ہے کہ وہ ناموافق حالات میں بھی اپنی جس قدر ممکنات کو جس قدر زیادہ ظاہر کر سکتی ہے، ظاہر کرتی ہے موجودہ دَور میں بعض غلط نظریاتی جماعتوں کی عارضی طاقت اور شان و شوکت زندگی کے اسی قاعدہ کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک تقلیب صحیح راستہ سے ہٹ جائے تو ضروری ہے کہ بعد کی تقلیبات اور بھی صحیح راستہ سے ہٹتی چلی جائیں۔ ریلوے کی کسی برانچ لائن کی طرح کہ وہ مین لائن سے الگ ہوتی ہے تو پھر جس قدر آگے جاتی ہے اس قدر اس سے اور دُور ہوتی چلی جاتی ہے۔

آئندہ کے ارتقاء کی نوعیّت

زندگی کا ایک اور قاعدہ یہ ہے کہ وہ اپنی تخلیقی کارروائیوں میں کفایت سے کام لیتی ہے اور اپنے کارآمد حاصلات کو کبھی ضائع نہیں کرتی بلکہ ان سے پورا کام لیتی ہے۔ اس قاعدہ کی وجہ سے زندگی ارتقاء کے عمل میں اپنی جس مخفی استعداد کو ایک بار نمودار کر لیتی ہے اسی کو آئندہ کے ارتقاء کے لیے کام میں لاتی ہے۔ اور درحقیقت وہ اس کو نمودار ہی اس لیے کرتی ہے کہ اسے آئندہ کے ارتقاء کی اسکیم میں اس سے کام لینا ہوتا ہے۔ کروڑوں برس کے حیاتیاتی ارتقاء کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ حیوانِ کامل یا انسان وجود میں آگیا ہے، جو نہ صرف حیاتیاتی نقطۂ نظر سے کامل ہے بلکہ جس کے اندر حیاتیاتی تکمیل کی وجہ سے ایک نئی استعداد یعنی خدا کی محبّت کا ایک طاقت ور جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا زندگی کے اس قاعدہ کے مطابق ضروری ہے کہ انسان کے بعد کا سارا ارتقاء انسان ہی کے راستہ سے ہو اور

اس کا دارومدار انسان کی اس استعداد کے اظہار پر ہو۔ دوسرے لفظوں میں اب کائنات کے ارتقاء کا دارومدار اس بات پر ہے کہ انسان اپنی عملی زندگی میں خدا کی محبّت کے جذبہ کو کس حد تک مطمئن کرتا ہے۔ چونکہ جولین ہکسلے (Julian Huxley) خدا کے عقیدہ سے ناآشنا ہے اور فطرتِ انسانی میں نظریات اور اقدار کے منبع کو نہیں جانتا، وہ اس حقیقت کا اظہار اس طرح سے کرتا ہے: "انسان کے وجود میں آنے کے بعد ارتقاء کی نوعیت یکایک بدل جاتی ہے۔ انسانی شعور کے ساتھ اقدار اور نظریات پہلی دفعہ زمین پر ظہور پذیر ہوئے۔ لہٰذا مزید ارتقاء کا معیار یہ ہے کہ یہ نظریاتی اقدار کس حد تک مطمئن ہوتی ہیں"۔ چونکہ خدا کی محبّت کا جذبہ جو صحیح نظریۂ حیات کی بنیاد بنتا ہے وہی بہک کر غلط نظریات بھی پیدا کرتا ہے' ظاہر ہے کہ نوعِ انسانی کے تمام نظریات اسی جذبہ کی پیداوار ہیں اور اسی کو مطمئن کرنے کی کامیاب یا ناکام کوششیں ہیں۔

زندگی شرحِ اشاراتِ خودی است
لا و اِلّا از مقاماتِ خودی است

حیاتیاتی اور نظریاتی ارتقاء کی مماثلت

چونکہ زندگی ایک ہے اور ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے' لہٰذا خواہ وہ حیاتیاتی سطحِ ارتقاء پر سرگرمِ عمل ہو یا نظریاتی سطحِ ارتقاء پر' اس کے بڑے بڑے اوصاف و خواص کے اظہار میں کوئی بنیادی فرق نہیں آتا۔ مثلاً اگر زندگی حیاتیاتی سطح پر نشوونما کرتی ہے تو نظریاتی سطح پر بھی نشوونما کرتی ہے۔ اگر حیاتیاتی سطحِ ارتقاء پر جسمِ حیوانی کی صورت میں ایک کُل یا وحدت کی تشکیل کرتی ہے تو نظریاتی سطحِ ارتقاء پر بھی انسانی شخصیّت کی صورت میں ایک کُل یا وحدت کی تشکیل کرتی ہے۔ اگر حیاتیاتی سطح پر ایک جسمِ حیوانی ایک خاص مادی شکل رکھتا ہے جو اس کے اعضاء وجوارح کی ساخت سے صورت پذیر ہوتی ہے' تو نظریاتی سطح پر انسانی شخصیّت بھی ایک خاص نظریاتی شکل رکھتی ہے جو اس کے نصب العین کی صفات سے پیدا ہونے والے اعتقادات و تصوّرات' اخلاق و اعمال، عادات و شمائل اور افکار و آراء سے صورت پذیر ہوتی ہے۔ اگر جسمِ بدنی حیاتین' پروٹین اور فلزات کی صورت میں مادی غذا جذب کر کے نشوونما پاتا ہے تو شخصیتِ انسانی بھی نصب العین کی صفات کے حُسن کی صورت میں نفسیاتی غذا جذب کر کے نشوونما

پاتی ہے۔ اگر جسمِ حیوانی نشو ونما پاکر فرد کے والدین کے جسمانی نمونہ کے مطابق بن جاتا ہے تو شخصیتِ انسانی بھی نشو ونما پاکر فرد کے والدین کے نظریاتی نمونہ کے مطابق بن جاتی ہے۔ اگر حیاتیاتی سطح پر ایک جسمِ حیوانی عملِ توالد کے ذریعہ سے اپنی شکل کے اور بہت سے حیوانات پیدا کرکے اپنی مخصوص نوعِ حیوانی کو وجود میں لاتا ہے تو نظریاتی سطح پر ایک انسانی شخصیت بھی ایک قسم کے نظریاتی توالد کے ذریعہ سے اپنی ہی نظریاتی شکل کی اور بہت سی شخصیتیں پیدا کرکے اپنی مخصوص نظریاتی جماعت کو وجود میں لاتی ہے۔ اگر زندگی کی خصوصیات کی وجہ سے ضروری تھا کہ انواعِ حیوانات ایک ایسی نوعِ حیوانات کی سمت میں ارتقاء کرتی رہیں جو حیاتیاتی طور پر کامل ہو، یعنی نوعِ انسانی کی سمت میں، تو ان ہی خصوصیات کی وجہ سے یہ بھی ضروری تھا کہ نظریاتی جماعتیں بھی ایک ایسی نظریاتی جماعت کی طرف ارتقاء کرتی رہیں جو نظریاتی طور پر کامل ہو۔ یہ نظریاتی جماعت رحمۃ للعلمین کی اُمّت ہے۔ جس طرح سے ضروری تھا کہ پہلے انسان کے ظہور کے بعد جنگلوں کے دوسرے خونخوار حیوانات کے بالمقابل انسان کی ظاہری ناتوانی کے باوجود انسان کی نسل دنیا میں پھیل جائے، اسی طرح ضروری ہے کہ رحمۃ للعلمین کے ظہور کے بعد ان کی روحانی اولاد یعنی مسلمان قوم دوسری قوموں کے بالمقابل اپنی موجودہ ظاہری کمزوری کے باوجود آخر کار دنیا میں پھیل جائے۔ جس طرح سے نوعِ انسانی کے ظہور کے بعد بھی حیاتیاتی ارتقاء غلط راستوں پر جاری رہا اور دیر تک انسان سے کم تر درجہ کی انواعِ حیوانات وجود میں آتی رہیں، اسی طرح سے رحمۃ للعلمین کی اُمّت کے ظہور کے بعد نظریاتی ارتقاء بھی غلط راستوں پر جاری ہے اور نظریاتی اعتبار سے اُمّتِ مسلمہ سے کمتر درجہ کی نظریاتی جماعتیں وجود میں آرہی ہیں لیکن جس طرح سے ضروری تھا کہ نوعِ انسانی دوسری تمام انواعِ حیوانات پر جو انسان کے ظہور سے پہلے اور بعد نمودار ہوتی تھیں مکمل طور پر غالب آتے، اسی طرح سے ضروری ہے کہ رحمۃ للعلمین کی اُمّت بھی تمام نظریاتی جماعتوں پر جو رحمۃ للعلمین کے ظہور سے پہلے اور بعد نمودار ہوئی ہیں مکمل طور پر غالب آئے۔ قرآن حکیم نے زوردار الفاظ میں اس غلبہ کی پیشگوئی کی ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (التوبۃ: ۳۳، الصّف: ۹)

خدا وہ ذاتِ پاک ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے نظریۂ حیات کے ساتھ بھیجا تاکہ

اسے تمام دوسرے نظریات پر غالب کر دے خواہ مشرکین اس بات کو ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔

نظریاتی ارتقاء کا نقطۂ آغاز

نظریاتی مرحلۂ ارتقاء پہلے مکمل جسم حیوانی یا پہلے انسان سے شروع ہوا تھا جو حیاتیاتی طور پر مکمل ہو جانے کی وجہ سے اس قابل ہو گیا تھا کہ اس میں خدا کی محبّت کا ایک طاقت ور جذبہ اس کی تمام جبلّتی خواہشات کی حکمران قوّت کی حیثیّت سے پیدا ہو۔ جس طرح سب سے پہلے جاندار یعنی ایک خلیہ کے حیوان امیبا کے ظہور کے بعد ضروری تھا کہ ارتقاء کلیتہً حیاتیاتی ہوتا، اسی طرح سب سے پہلے انسان کے ظہور کے بعد ضروری تھا کہ ارتقاء کلیتہً نظریاتی ہوتا۔ سب سے پہلے انسان کو نہ صرف خدا نے حسن کی محبت کا جذبہ عطا کیا، بلکہ اس کو نبوت بھی عطا کی یعنی اپنی خاص رحمت سے وحی کے ذریعہ سے اس کو اور اس کی اولاد کو اس جذبۂ محبت کی تسکین اور تشفی کی راہ نمائی بھی عطا کی اور بتایا کہ وہ خدا کی محبت اور عبادت سے مکمل اور مستقل طور پر مطمئن ہو سکتا ہے۔ قدرت کوئی ضرورت پیدا نہیں کرتی جس کی تکمیل کا اہتمام خود نہ کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدرت کی پیدا کی ہوئی ہر ضرورت ارتقاء کے کسی مقصد کو پورا کرتی ہے اور اگر قدرت اس ضرورت کی تکمیل کا اہتمام نہ کرے تو اس ضرورت کو پیدا کرنے کا کوئی فائدہ یا مقصد ہی نہ ہو۔ اور اگر ارتقاء کا دارومدار اس ضرورت کی تکمیل پر رکھا گیا ہو تو ارتقاء بھی جاری نہ رہ سکے۔ یہی سبب ہے کہ سب سے پہلے انسان جن کو حضرت آدمؑ کہا جاتا ہے خدا کے نبی تھے۔ چونکہ انسان از خود اپنے جذبۂ محبت کے مقصود کو نہیں جان سکتا اور جذبۂ محبّت نہایت آسانی سے بہک جاتا ہے لہٰذا اگر وہ نبی نہ ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ خدا نے سب سے پہلے انسان کے دل میں اپنی محبّت کا جذبہ تو پیدا کیا لیکن اس کی راہ نمائی نہیں کی، بلکہ اس کو سرگردان اور بے راہرو ہونے کے لیے چھوڑ دیا۔ ایسا ہونا خدا کی رحمت اور ربوبیت کے ان تقاضوں سے ہی بعید ہوتا جن کے ماتحت اس نے انسان کو اپنی محبّت کا جذبہ عطا کیا تھا۔ نبی کی تعریف ہی یہ ہے کہ نبی وہ شخص ہوتا ہے جو اپنی جدوجہد اور کوشش سے نہیں بلکہ خدا کی خاص رحمت سے اور براہ راست خدا سے وحی پا کر اس بات کا علم حاصل کرتا ہے کہ انسان کی محبّت کا مقصود فقط خدا ہے اور انسان خدا کی محبت کے فطری جذبہ کو عملی طور پر خدا کی عبادت

اور اطاعت سے مطمئن کر سکتا ہے اور اپنی قوم کے دوسرے افراد کو اس علم سے مستفید کرتا ہے۔

نبیِ کامل ـ نظریاتی ارتقاء کا مقصود

یہ بات آشکار ہے کہ حضرت آدم اور ان کی امّت کا نظریۂ حیات (اور ظاہر ہے کہ ان کی امّت ان کی اولاد کے ایک حصّہ پر ہی مشتمل ہو گی) نہایت سادہ ہو گا۔ اس وقت ہمیں معلوم ہے کہ انسان کی قدرتی عملی زندگی کے ضروری تقاضوں میں سیاست، عبادت، اخلاق، تعلیم، قانون، صنعت و حرفت، تجارت، سماجی اور خاندانی تعلقات اور جنگ وغیرہ شامل ہیں لیکن حضرت آدمؑ کے زمانہ میں جب انسان کی زندگی کے کاروبار کا دار و مدار زیادہ تر سیر و شکار پر ہو گا، انسان کی قدرتی عملی زندگی کے چند ضروری تقاضے بھی آشکار نہیں ہوئے ہوں گے، لہٰذا خدا کی محبت کے بنیادی اصولِ حیات کو سوسائٹی کی اس وقت کی عملی زندگی پر چسپاں کرنے سے جو نظریۂ حیات وجود میں آیا ہو گا، وہ سوائے اس کے کہ خدا کی عبادت اور چند اخلاقی اصولوں کی پابندی پر مشتمل ہو اور کیا ہو سکتا ہے۔ تاہم جُوں جُوں انسان کی قدرتی عملی زندگی کے ضروری تقاضے اُبھرتے گئے ان پر خدا کی محبّت کے اصُول کا اطلاق کرنے کے لیے نئے نئے انبیاء پیدا ہوتے رہے اور ان کی روحانی اولاد سے نئی نئی امّتیں وجود میں آتی رہیں اور ان کی عملی اور نظری تعلیم سے خدا کے عقیدہ پر مبنی نئے نئے نظریات پیدا ہوتے رہے جو انسان کے تمدّنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ اپنی وسعت اور تفصیل میں بتدریج ترقی کرتے رہے۔ ایک روایت کے مطابق انبیاء کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہوئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ترقی پذیر انواعِ حیوانات کی طرح یہ نت نئی پیدا ہونے والی ترقی پذیر امّتیں بھی اپنے نظریات کے سمیت کسی منزلِ مقصود کی طرف آگے بڑھ رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ نظریاتی مرحلۂ ارتقاء میں خودی کی منزلِ مقصود یہ تھی کہ وہ ایک کامل نبی پیدا کرے جو اپنی عملی زندگی کی مثال سے ایسا نظریۂ حیات وجود میں لائے جو خدا کی محبّت کے اصول کو انسان کی عملی زندگی کے تمام ضروری شعبوں مثلاً سیاست، عبادت، اخلاق، تعلیم، قانون، صنعت و حرفت، تجارت، سماجی اور خاندانی تعلقات اور جنگ وغیرہ پر چسپاں کرے اور لہٰذا ایک کامل نظریۂ حیات ہو اور پھر اس کامل نبی کی روحانی اولاد یا امت کو ترقی دے کر روئے زمین پر پھیلائے اور تمام نظریاتی جماعتوں پر غالب کر دے تاکہ دوسری

(باقی ص ۱۲ پر)